Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

پیامبر فطرت: نظیر اکبر آبادی

Nazeer Akbar Aabadi: A Herald of Nature

Dr Rizwana Naqvi
Assistant professor in Urdu, University of Sargodha

Dr Syed Murtaza Hassan
Assistant professor in Urdu, Government Ambala Muslim Graduate College Sargodha

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Nazeer Akbar Aabadi is a prominent figure of Urdu poetry. In the history of urdu literature he is famous as a ''Public Poet''but the outstanding quality of his poetry is also naturalism. His poetic imagination is so alluring on the description of nature, the beauty of nature reflected from all his feelings, words & poetic message. He calls the people towards their real treasure & survival, he unfolds the importance of nature in human life directly and indirectly. His poetry is a beautiful landscape painting where he praises the multi colored clouds tented in the sky , the murmur of water, the beauty of lakes, the chirping of birds ,the mischief of animals, the charm & fragrance of flowers , the sweetness of fruits and specifically he describes magical personality of God's best creation of nature ''the Human'' .Sometimes he himself longed to be a refuge in nature's lap. He used to show his readers the glimpses of the beauty of worldly Charm which sometimes reflects the immeasurable charm of heavenly vision in purely poetic style. But he was no less than anyone in conveying the original message to humans by becoming the language of nature scenes. He is truly a messenger of nature , this article throws light upon the various aspects of his natural poetry & feel, which is still alive in the form of endless beauty of Nature in this world as well as in his poetry.

Key word:
Nature, naturalism , poetic message , landscape, heavenly view, charm, fragrance, flowers, endless beauty, human survival.

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

زمین خالقِ کون و مکاں کی قدرت ِ تخلیق کا عظیم ترین شاہکار، انسان احسن تقویم کی صورت اور فطرت خدائے ذوالجلال کے حسن و جمال کا حیرت ناک عکس ہے اور یہ تینوں عناصر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ بالخصوص زمینی حسن کہ جو فطرت کی نیرنگی کا معجزہ ہے آج کی موجودہ صورتحال میں اپنی خوش آہنگی خوبصورتی اور سحر ناکی ہی نہیں بلکہ افادیت کے باعث بھی حیاتِ انسانی کا بنیادی وسیلہ ٹھہرا ہے۔ اس حسن کی بقا، بڑھوتری اور تحفظ خود انسان کی بقا، بڑھوتری اور تحفظ کی ضمانت ہے۔ لیکن جس قدر یہ فطرت اور حسنِ فطرت ذاتِ انسانی کے لیے ناگزیر ہے اسی قدر عہد حاضر میں اس سے بے توجہی برتی جارہی ہے۔ ادب چونکہ وسیلہ و آئینہءِ حیات ہے اس لیے لازم ہے کہ ادب کو فطرت کا آئینہ بناتے ہوئے نسلِ انسانی اور نژادِ نو کو اس طرف رغبت دلائی جائے اور اذہان و قلوب میں لفظوں کے سرسبزی، خوش آہنگی اور خوشبو کے ذریعے سے انسان اور فطرت کے درمیان آنے والے بعد کو کم کیا جائے۔ ادب عالم میں فطرت نگاری کا مضمون اور موضوع نیا نہیں بلکہ اگر ماضی کا خزینہءِ علم و ادب کھنگالا جائے تو اس کا ایک بڑا حصہ فطرت نگاری اور فطرت پرستی پر مشتمل ہے۔ ہزاروں سالوں کی یہ ادبی مسافرت اپنے خوبصورتی، لطافت، خوش رنگی اور تازگی کے لیے بار بار فطرت کا دامن تھامتی رہی ہے یہاں تک کہ اردو زبان کا ظہور ہوا اور اردو نظم و نثر میں بھی ابتدا تا عہدِ حاضر فطرت کا رنگ کسی نہ کسی صورت اپنا جلوہ دکھاتا رہا۔ عمومی طور پر فطرت نگاری سے مراد زمین تا آسمان بکھرے ہوئے مظاہرِ فطرت کو

Natural poetry and it's کے مطابق: گوناگوں حوالوں سے نظم کرنا ہے۔ اگر اس کی عمومی تعریف کی جائے تو aspect

Natural poetry is a literary genre that involves writing about the natural world. It's a very old art from that has changed over time, poets often starts with simple description of nature using all their senses to describe what something smells tastes sounds and feels like.(1)

- انگریزی شاعری، جو کہ جدید اردو شاعری کی بنیاد بنی اس میں فطرت نگاری کا آغاز رومانوی تحریک سے منسوب کیا جاتا ہے، گو کہ دیگر زبانوں کے ادب کی طرح انگریزی ادب میں بھی فطرت نگاری ماضی میں بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے لیکن اس عہد میں فطرت شعرا کے لئے مقصد و تحریک ثابت ہوئی اور اس تحریک سے منسلک اور متاثرہ شعراء کے ہاں فطرت پرستی اور فطرت نگاری لازمہءِ حیات ٹھہری کہ جس کے بنا نہ ذات کی تشخیص ہو سکتی تھی نہ کائنات کی۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل وضاحت عہد جدید اور عہد قدیم کی فطرت نگاری کے حوالے سے معاون ثابت ہو گی کہ:

The Romantic poets often writing about beautiful rural landscapes as a source of joy made nature Poetry a popular poetic genre. When writing environmental poems today Contemporary poets tends to write about nature more broadly then there Predecessors focusing more on the Planet. Critic Jay Parini explained in his introduction " To Poems for a Small Planet"(Contemporary American Nature poetry), Nature is no longer the rustic retreat of Wordsworthian poet..... It is now a pressing political question, a question of survival distinct from nature poetry Environmental poetry explores the complicated connections between,People and nature often written by poets who are concerned about our impact on the natural world. Poets Today are serving as witnesses to climate change while bringing attention to important environmental issues and advocating for preservation and Conservation. (2)

- انگریزی شاعری کی طرح اردو شاعری میں بھی ابتدا سے ہی فطرت شعراء کے موضوعات و پیشکش کا حصہ رہی ہے اور فقط شاعری ہی نہیں بلکہ تمام اصناف سخن یہاں تک کہ یہ نثر پاروں میں بھی فطرت کے رنگ کہیں ہلکے

اور کہیں گہرے نظر آتے رہے ہیں جبکہ مثنوی ، مرثیہ اور غزل میں بھی فطرت کا رنگ غالب رہا ہے۔ نظم جو عہد جدید کی پیداوار ہے اس میں نظیر اکبر آبادی سے لے کر آج تک کے شعرا نے گوناگوں حوالوں سے فطرت کو پیش کیا ہے۔ لیکن انگریزوں کی آمد کے بعد کے اثرات کے تحت جو جدید شاعری اور ادب وجود میں آیا اس میں فطرت نگاری کو نیچرل پوئٹری کا نام دیا گیا اس دور کے آغاز میں نیچر کا مفہوم کچھ زیادہ واضح نہیں تھا اس لیے قدیم ناقدین کے ہاں نیچر اور نیچرل شاعری کے حوالے سے صورتحال مروجہ و مخصوص معنوں سے کچھ ہٹ کر تھی۔ اس حوالے سے سرسید و حالی جو کہ عقلیت پسندی اور حقیقت نگاری کی تحریک کے سرخیل تھے انہوں نے جو معنی فطرت نگاری کے متعین کئے ان پر ایک عرصہ تک خرام ہوتی رہی اور نیچرل شاعری کا مطلب اور تعارف ان کی تحریروں اور تخلیقات سے اخذ کیا جاتا رہا۔ مولانا حالی کے خیال میں آج کل جو نیچرل شاعری کا لفظ کثرت استعمال کے باعث زبان زدِ عام ہے اس کی کسی قدر شرح کی جائے تو بہتر ہو گا۔ ان کے نزدیک بعض اصحاب نیچرل شاعری اس شاعری کو سمجھتے ہیں جو نیچریوں سے منسوب ہو یا جس میں نیچریوں کے مذہبی خیالات کا بیان ہو بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نیچرل شاعری وہ ہے جو کسی مخصوص قوم کے عروج و تنزل سے متعلق ہو لیکن نیچرل شاعری ان دونوں مطالب سے دور ہے دراصل نیچرل شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جو لفظاً اور معناً دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو۔ لفظ نیچرل کے موافق ہونے سے غرض یہ ہے کہ شعراء کے الفاظ تراکیب اور اس کی بندشوں کو ممکنہ حد تک اس زبان کی معمولی بول چال کے موافق رکھا جائے کہ جس زبان کو ذریعہ اظہار بنایا گیا ہو کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اس ملک والوں کے حق میں جہاں وہ بولی جاتی ہے نیچر یا سیکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ شعر کا بیان اگر بلا ضرورت با تکلف مصنوعی اور روزمرہ بول چال سے بعید ہو گا اسی قدر ان نیچرل سمجھا جائے گا معناً نیچرل ہونے سے مراد یہ ہے کہ شعر میں ایسی باتیں کہی جائیں کہ جیسی ہمیشہ سے زمانے میں ہوتی آئی ہیں یا ہونی چاہئیں چنانچہ جو شعر بھی ان حدود و اصول سے متجاوز ہو گا غیر ضروری یا ان نیچرل سمجھا جائے گا(3)

یعنی حالی کے لیے نیچرل شاعری سے مراد حقیقت اور خالص سادہ فطرت کا بیان ہے اسی بنا پر انہوں نے مبالغہ آمیز اور پر تصنع شاعری کو فطری شاعری کے دائرے سے باہر کر دیا اور اسے ناپسند فرمایا اور کہا متاخرین نے ہر مضمون کو جو قدماء نیچرل طور پر باندھ گئے تھے نیچر کی سرحد سے دوسرے عالم میں پہنچا دیا(4)۔اس طرح سر سید احمد خان کے لیے بھی حقیقی جذبات اور قدرتی انداز کی سادہ پیشکش نیچرل شاعری کہلاتی تھی انہوں نے " انجمنِ پنجاب " کے اقدامات اور اس کے تحت کی جانے والی فطری شاعری کو سراہتے ہوئے انہوں نے اپنی ایک تحریر میں نہ صرف آزادؔ کے رنگِ سخن کی داد دی بلکہ انہیں سادہ گوئی اور حقیقت نگاری کی طرف مزید مائل ہونے کی تلقین بھی کی انہوں نے کہا کہ انجمن کے مشاعروں کی صورت گویا ان کی دلی تمنا پوری ہو گئی تھی کیونکہ وہ ایک عرصہ سے اردو شعراء کو حقائقِ حیات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے انہوں نے لکھا کہ آزادؔ کی مثنوی خواب امن نیچرل شاعری کی خوبصورت کاوش اور قابلِ داد عمل ہے لیکن ابھی بھی اس میں خیالی باتوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے سو "اپنے کلام کو اور زیادہ فطری کرو اور نیچر کی طرف مائل کرو یہ جس قدر زیادہ نیچر کی طرف مائل ہو گا اتنا ہی مزہ دے گا"(5)

اس طرح ابھرتے ہوئے جدید ادب کے سرخیل حضرات کے نزدیک نیچر کے معنی خیالی، بناوٹی اور مصنوعی باتوں سے دوری اور حقیقت پسندی تھی انہوں نے شاعری کو قدیم روایتی دائرے سے باہر نکالنے کی بھرپور کوشش کی جو بارآور ثابت ہوئی اور اردو شاعری میں مبالغے کی جگہ حقیقت اور تخیل کی جگہ فطری جذبات نے لے لی یوں انجمن پنجاب کی تحریک کے زیر اثر جو نظمیں لکھی گئیں ان میں انسان کا فطری ربط اور قدرتی مناظر کی طرف جھکاؤ زیادہ واضح اور غالب نظر آنے لگا۔ مثنوی، قصیدہ، غزل اور عہد قدیم کی تمام تر شاعری کسوٹی پر پرکھی جانے لگی۔ حالی کے دائرہءِ نقد و قبول میں وہی شاعری قابل قبول ٹھہری جو اظہار و جذبات دونوں میں سادہ اور حقیقی یعنی نیچرل ہو۔ عبدالسلام ندوی کے مطابق خود مولانا حالی نے غزل اور مثنوی کے متعدد اشعار کو نیچرل ثابت کیا ہے لیکن اس دور میں اس لفظ کا اطلاق صرف نظارہءِ قدرت اور وصف نگاری تک محدود ہو کر رہ گیا تھا اور عمومی طور پر جب بھی لفظ نیچر بولا جاتا تھا تو اس سے پہلے ہی دو صفات مراد لی جاتی تھیں۔(6) ادب میں اس کی شناخت دو طرح سے تھی، پہلی: وہ جو مظاہرِ ارضی پر مشتمل ہمارے ارد گرد رنگا رنگ درختوں، پھولوں، پھلوں، سمندروں، پہاڑوں

درندوں، چرندوں، پرندوں اور آسمانی وسعتوں کی نیرنگیوں کی صورت پھیلی ہوئی ہے۔ دوسری: وہ جو ہم میں سے ہر ایک کے قلب و احساس کی دنیا ہے۔ پہلی قسم ظاہری فطرت ہے اور دوسری باطنی فطرت اب اگر کوئی فطرت کی طرف پیش قدمی کی خواہش رکھتا ہے تو اسے دونوں دنیاؤں سے منسلک ہونا ہو گا بالخصوص شاعر و ادیب کہ احساس و بصیرت میں عام رویے سے دور ہوتے ہیں ان کے لیے ایک طرف تو بیرونی عوامل کی صورت بکھری کائنات سے تعلق قائم کرنا ہو گا اور اس کی لامحدود اور لا انتہا وسعت و رنگینیوں، گوناگونی اور اس کے اندر نہاں و پنہاں بھیدوں سے واقفیت رکھنا ہو گی اور دوسری طرف اسے باطن کی حسی کائنات کا درک حاصل کر کے اس بھید بھری کائنات کے جلوؤں سے لطف اندوز ہونا ہو گا اور اپنے قاری کو اس لطیف حسی تجربے میں شامل کرنے کے لئے احساس و ترفع کی دنیائیں تخلیق کرنا ہوں گی۔ یوں اس کے آگے دو عظیم الشان دنیائیں ظاہر و باطن کی صورت میں موجود ہیں پہلی کے مقابل دوسری دنیا اگرچہ غیر معروضی، حسی، جذباتی و خیالی ہوتی ہے پھر بھی اس کی اہمیت کسی طور بھی معروضی، حقیقی اور موجود دنیا سے کم نہیں ہوتی، لیکن اردو تنقید نگاری کا جدید دور جو سر سید و حالی سے شروع ہوتا ہے اول الذکر کی ترجمانی کو مؤخر الذکر کی ترجمانی سے برتر گردانتا ہے ان کے نزدیک جو شعر و شاعر اپنے من کے کائنات سے آگے بڑھ کر خارجی کائنات کی نمائندہ ترجمانی کرتا ہے اس کی قدر و منزلت اور تاثیر کلام دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے(7)

فطرت انسانی ہو یا کائناتی دونوں کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسانی حیات دراصل امتزاج ہی خارج و باطن کا ہے تو غلط نہ ہو گا فطرت بشر کی سب سے اولین سب سے قریبی ساتھی ہے اس دنیا میں آمدِ انسان کے ساتھ ہی سب سے پہلا تعلق جو انسان کا دنیا میں قائم ہوا فطرت ہی تھا اور وہ پہلا انسلاک جو دائمی ثابت ہوا وہ بھی فطرت ہی ہے۔ ایک طرف پھل، پیڑ ،پودے ، پھول ،خوش آہنگ پرندے اور دیگر جانور تھے کہ جن کی لطافت اور فائدوں نے قدیم انسان کی ذات کو آسانی ،خوشگواریت اور تحفظ عطا کیا تو دوسری طرف درندے، ہیبت ناک دشوار گزار پہاڑ، بادلوں کی گرج، بجلیوں کی کڑک، آتش فشانیاں، آندھیاں، سیلاب طوفان وغیرہ کا زور تھا کہ جس نے اس کے کمزور وجود کو نقصان پہنچایا اور ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن احسن عمل یہ ہے کہ انسان نے فطرت کے ان دونوں پہلوؤں سے نباہ کرنے اور ان کے ساتھ گزران کرنے کے جتن کیے کسی کو اس نے قابو کیا اور کسی کو رام کرنے کے لیے اس کی پرستش شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی یہ تصور بھی پنپنے لگا کہ کائنات حسن

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

ازل ہے یہ وجودِ خالق کا مظہر اور اشارہ ہے سو یہ نا صرف قابل ستائش بلکہ قابل پرستش بھی ہے۔ فطرت اور اس کے حسن و جلال سے متعلقہ خیالات و بیانات نسلِ انسانی کے ہر دور کا حصہ رہے اور فطرت نگاری میں نہ صرف یہ کہ بیرونی مظاہر فطرت کو نظم کر دیا جاتا، براہ راست ان کی تعریف کی جاتی یا ان کا جاہ و جلال دکھایا جاتا بلکہ ان مظاہر فطرت کا انسانی ذات، احساسات و عمل سے انسلاک کر کے باطنی طور پر فطرت اور ذاتِ انسانی کی مماثلتیں کھوجنا بھی اس عمل کا حصہ ٹھہرا۔ ادب میں اظہار کی یہ صورت عہد قدیم سے آج تک فعال اور پر اثر ہے۔ اردو زبان کے دور آغاز میں عہد جدید ہی کی طرح فطرت کی عکاسی شعر و سخن میں بیرونی اثرات کی مرہون منت ہے چونکہ اردو زبان براہ راست فارسی و عربی سے اثر پذیر تھی اس لئے مرثیے اور قصیدے میں بہت حد تک عرب آب و ہوا اور غزل و مثنوی میں ایرانی ماحولیات و عوامل بر سرِ عمل ہوئے۔ لیکن اسی دور میں ہندوستانی ماحول، موسم اور ارضی خصائص و کیفیات کا بیان بھی گیت، دوہے، بارہ ماسے اور کثیر نوعی نظموں کی صورت سامنے آیا۔ قومیت کے جذبے کے تحت بھی ہندوستانی موسموں، پرندوں، جانوروں، دریاؤں، پہاڑوں سلسلہ ہائے کوہ، میدانوں، جنگلوں، پھلوں، پھولوں، پیڑوں اور تہواروں وغیرہ کو شعر و سخن کی زینت بنایا گیا لیکن ان کا بیان بہت حد تک پس منظری حوالے کے طور پر نظر آتا ہے یا پھر حب وطن کا جذباتی حوالہ ان سے جڑا ہوا ہے۔ جدید نظم جو فطری شاعری کا سب سے بڑا نشان ہے وہ انگریزی اثرات ہی کی مرہون منت ہے انگریزی ادب میں بھی فطرت نگاری قدیم ہندی اور اردو ادب ہی کی طرح ایک عرصہ تک پس منظری اور انسلا کی حوالے سے موجود تھی یہاں تک کہ اٹھارویں سے انیسویں صدی تک فعال رہنے والی رومانوی تحریک اور رومانوی عہد کے تحت فطرت ایک مرکزی کردار کی طرح ادب و شعر میں جگہ پانے لگی۔ اگرچہ کہ اس سے پہلے کہ انگریزی ادب میں اردو ہی کی طرح کلاسکی اور رومانی فن پاروں میں فطرت نگاری بلواسطہ اپنی جھلک دکھاتی ہے مگر جس انداز اور شدت سے رومانی شاعروں نے اسے مرکز نگاہ بنایا ہے پورے انگریزی ادب میں یہ جذبہ واحساس موجود نہیں۔ اس دور میں فطرت نگاری کا سب سے بڑا علمبردار ولیم ورڈزورتھ ہے جو انسانی فطرت و حساسیت کو اس طور زمینی فطرت کے ساتھ منسلک کرتا ہے کہ پوری کائنات کے جلوے خود اس کی ذات کا محور بن کر نسل انسانی کی بقا کا پیغام بن جاتے ہیں۔ انسان فطرت کا سب سے بڑا حصہ اور ساتھی ہے، یہ اور بات کہ وہ اپنے اس قیمتی اثاثے اور اس کی اہمیت سے بیش از بیش ناواقف اور دور رہا ہے۔ اس دوری کی خلش ورڈزورتھ کے ہاں شدید ہے اور رد عملی صورتوں میں وہ شاعرِ فطرت سے آگے بڑھ کر فطرت

پرست بن جاتا ہے ورڈزورتھ نے فطرت کو محض خارجی مظاہر میں دیکھا اور جانا نہیں ہے بلکہ اس کے ہاں فطرت ایک زندہ ہمہ گیر اور انتہائی طاقتور کردار کی صورت موجود ہے جس کا وجودی حسن، رنگینی اور رعنائی انسانی حیات کے توازن اور قیام کے لیے ناگزیر ہے ورڈزورتھ کے ہاں فطرت روح ہے۔ کیف ہے۔ مستی ہے، سرمستی ہے رہنما ہے، ساتھی ہے، مددگار ہے، نسل انسانی کی امین اور سکون و خوشیوں کی پیامبر ہے ان کے ہاں فطرت کامل استاد اور کامل وجود کی طرح نظر آتی ہے کہ جس کی قربت نژادِ نو کے لیے سب سے ضروری ہے ان کی نظم "لوسی گرے" فطری معصومیت اور انسانی معصومیت کے ادغامی اثرات ولازوالیت کی خوبصورت مثال ہے۔

Lucy Grey.

No matter. No, Comrade Lucy knew.

She dwelt on a wild moor,

…..the sweetest thing that ever grew.

Beside a human doo !

……. ……. …….

They followed from the snowy bank

Those foot marks one by one

Into the middle of the plank

and further there were none !

…….yet some maintain that to this day

She is a living child

that you may see sweet Lucy Grey

Up on the Lonesome wild

oer rough and smooth she trips along,

and never looks behind ;

and sings a solitary song

that whistle in the wind.(8)

یہ نظم اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ معصومیت اور فطرت دونوں امر ہیں "لوسی" کی پرورش فطرت کی آغوش میں ہوئی تھی، فطرت کی الفت و کشش نے اسے ایک معصوم، بے ریا، مادی آلائشوں سے مبرّا ایک بے مثال پیکر میں ڈھال دیا۔ وہ فطرت کے دامن میں کھیلتے کھیلتے اسی کی راہوں میں گم ہو گئی، مگر یہ گمشدگی دراصل حقیقی حیات ہے موت یا فنا نہیں کیوں کہ وہ گم ہو کر ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی فطرت کے انمول پیکر اور لافانی گیت کی صورت میں دنیا کی گمبھیر فضاؤں میں موجود ہے ۔ فطرت ورڈزورتھ کے لیے کلی حیات اور خوشیوں سے عبارت ہے۔ اس کی حیات میں میسر سکون، قلبی اضطراب میں ٹھہراؤ، ہمت، جرات و آگہی، سب فطرت اور اس سے عشق کی دین ہیں۔ فطرت ہی اس کی ساتھی ہے اور وہی اس کی غم گسار، وہی اس کی محبوب اور وہی اس کا محورِ عبادت۔ ورڈزورتھ کی شاعری تین ادوار میں اپنی تکمیل کی طرف بڑھتی ہے اولاً ایک الہڑ لاابالی جوان جو فطرت سے لطافت و کشش کا تمنائی ہے اس کے جلوے اسے حیران کرتے ہیں اور یہ حیرانی انبساط میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ پھر دوسرا دور آتا ہے کہ جہاں مادی اور مظہری محبت وجدانی عشق کی طرف قدم بڑھاتی ہے اور فطرت کے جلوہائے رنگین فلسفیانہ اصولوں پر نہیں حواس وادراک سے اپنی تصدیق کرواتے ہیں۔ اس دور کا محیط بھی مختصر ہے اس کے بعد کا دور اپنی گہرائی اور شدت میں فزوں تر ہے کہ یہاں فطرت مذہب اور عقیدہ کے آئینے میں نظر آتی ہے اور اپنی کشش اور پرستش

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

کی طرف بلاتی ہے یہاں شاعر کو فطرت کے ذرے ذرے اور جلوے جلوے میں خدائی رنگ و حسن و پیغام نظر آتا ہے ایک ایسی روشنی جو پوری کائنات کو منور کرتی ہے "انٹرنلایے " اسی تصور کی تصویر ہے جو کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہائے پروردگار کا نظارہ کرتی ہے۔ ورڈزورتھ کے تصور میں فطرت سب سے بڑی استاد ہے جو انسان کو اس علم سے بھی بہرہ ور کرتی ہے جس تک پہنچنا کسی دنیاوی کتاب کے بس کی بات نہیں۔ ورڈزورتھ کا اثر پوری دنیا کے ادب پر کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا اردو ادب میں اقبلؔ اور جوشؔ کے ہاں ورڈزورتھ کے خیالات و احساسات کی جھلک نمایاں ہے۔ انگریزی شاعری میں اثر کے حوالے سے دوسرا بڑا نام شیلے کا ہے، لیکن شیلے کا عشقِ فطرت اس طور کامل نہیں جیسا کہ ورڈزورتھ کا۔ فطرت شیلے کے لئے قابلِ نظارہ اور قابلِ تحسین شے ہے۔ اس کے نزدیک فطرت اپنی ہیئتوں اور کیفیتوں میں اب تک وہیں ہے جہاں وہ ابتداءِ آفرینش میں ظہور ہوئی تھی۔ یہ انسان ہیں کہ جو اس کے وسیع ترکینوس میں رنگ بھرتے اور اس کو نئی صورتیں عطا کرتے رہتے ہیں۔ شیلے کے ہاں فطرت ایک زندہ حقیقت ہے وہ اپنی محرومیوں کی سرمئی شامیں بھی اسی فریم میں دیکھتا ہے اور امید کی صبحِ روشن بھی فطرت ہی کی آغوش میں طلوع ہوتی ہے۔ ورڈزورتھ کی طرح شیلے کے ہاں بھی فطرت سراسر لطافت سرمستی اور ساز ہے جس کے آہنگ سے کائنات میں خوشیاں اور زندگیوں کے نغمے سنے جاتے ہیں۔ فطرت کے حوالے سے تیسرا بڑا نام جان کیٹس کا ہے اس کے ہاں فطرت رومان ہے وجدان ہے ترفع ہے اور احساس ہے اس کی نظم اور تخیل کا ہر سرا حسیاتی دھڑکنوں اور لمسیاتی دھاگوں سے بندھا ہے۔ یہ رنگ ہے حسن ہے خوشبو ہے لطافت ہے لمسیاتی گدگدی ہے اور ایک ماورائی رنگ اور الوہی خوشی ہے جو فطرتی کی آغوش میں اور فطرت کے باعث اٹھکیلیاں کرتی ہے، ہمکتی ہے بڑھتی ہے اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے ۔ان شعراء کے زیر اثر اردو شعراء کے ہاں بھی یہی اثرات پنپتے نظر آتے ہیں اور باقاعدہ تحریک کے طور پر فطرت نگاری محمد حسین ازاد کی تحریک اور ان کے خطبات کے باعث مہمیز ہوتی ہے اس اثر کو اردو ادب میں عہد جدید کی نظم نگاری اور فطرت نگاری سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جو انگریزی اثرات کے تحت فعال تھی اور فعال رہی

لیکن اردو زبان و ادب کے روایتی اثاثے میں بھی فطرت نگاری کے بعض نقش و نشان اتنے واضح اور پر اثر ہیں کہ ان سے نگاہیں نہیں چرائی جا سکتیں ۔ گو کہ ان شعرا نے فطرت کو کسی خاص مقصد، قرینے یا تحریک کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ اس سے بیان کے پس منظر اور پیش منظری خصائص کو پیش کرنا مقصود تھا لیکن اس انداز میں بھی قدیم اردو ادب میں فطرت اور اس

کے جلوہ ہائے گوناگوں وسیع ترکینوس پر نظر آتے ہیں۔ فطرت نگاری کے حوالے سے ماضی کی شعری روایت کو گھنگالا جائے تو جنوبی ہند میں اردو زبان کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کا نام نمایاں تر ہے، فطرت نگاری ہی کی بنا پر انہیں "شاعر فطرت" بھی کہا جاتا ہے۔ قطب شاہ کا دیوان فطری رنگ و آہنگ، تصویروں، کیفیتوں اور آوازوں کا نگار خانہ معلوم پڑتا ہے۔ ان کے ہاں موسموں اور ان سے منسلک تہواروں، ہند کی تہذیب و تمدن، عمارات، باغات جلسوں جلوسوں کے اہتمام کے حوالے سے انسانی اور موسمی کیفیات نہایت وضاحت اور لطیف انداز میں ملتی ہیں اور اس شعری خاکے میں تحرک اور رنگ فطرت اور اس کے مناظر اور اس کے رنگ بدلتے جلوؤں کے سبب پیدا ہوتا ہے، قلی قطب شاہ کے ہم عصر اور ان کے بعد کے شعرا نے مثنوی کی صورت جو نظمیں لکھیں ان میں بھی فطرت متنوع حوالوں سے قابلِ ذکر ہے، گو کہ انگریز شعرا کے برعکس ان کی تخلیقات کا بنیادی نقطہ فطرت نہیں ہے لیکن معاون کردار کے طور پر خاصی فعال اور جاندار ہے۔ان شعراء میں بالخصوص ملا وجہی کی "قطب مشتری" غواصی کی "سیف الملوک اور بدیع الجمال" اس کی سب سے نمایاں مثالیں ہیں شمالی ہند میں بھی ایسی ہی صورتحال نظر آتی ہے ذوق، سودا، میر حسن، دیا شنکر نسیم اور میر انیس و مرزا دبیر کے کلام میں فطری مظاہر کثرت سے ملتے ہیں لیکن قلی قطب شاہ کے بعد اگر کسی شاعر نے فطرت کو اپنے کلام کا محور و مرکز جانا ہے تو وہ نظیر اکبر آبادی ہیں، جن کے ہاں فطرت محض پس منظر یا پیش منظری معاونت کے لیے نہیں اپنی حقیقی اور حسیاتی لطافت کے ساتھ جلوہ گر ہے اور یہ جلوہ نہ تو مغربی اثرات کا نتیجہ ہے نہ کسی کی پیروی اور نہ ہی پرستش کی خواہش بلکہ یہ فطرت کا اپنے مقامی ماحول، آب وہوا اور تہذیب و تمدن کے تمام تر خصائص کے ساتھ کھلا، حقیقی، سادہ اور والہانہ اظہار ہے۔ فطرت ذہنِ انسانی کی دسترس میں دو طرح سے آتی ہے پہلی مناظر فطرت: شجر و حجر، نباتات و جمادات اور ہر نوع کے جاندار، زمین و آسمان۔ جبکہ دوسری سب سے اہم، سب سے بڑی صورت خود "ذات انسانی" ہے کہ جو تمام تر فطرت کی فعالیت کا باعث اور زمین پر قدرت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ نظیر کے ہاں یہ دونوں زاویے باہم مل کر کائنات کی وہ تصویر پیش کرتے ہیں کہ جو اپنی جگہ کامل، متحرک، جاندار اور زندہ رہنے کے خصائص سے مملو ہے۔ نظیر کے ہاں ان دونوں حوالوں سے فطرت کا بیان تخیلاتی، ماورائی، مثالی یا رومانی نہیں بلکہ یہ حقیقی ہے، قدرتی ہے، علاقائی ہے اور انسانی ہے۔ نظیر کی شاعری کو جب بھی زیر بحث لایا جاتا ہے تو اکثر و بیشتر ان کے مشاہدے، سماجی انسانی حوالے اور ہندوستانی تہذیب و تمدن کی پیشکش ان کا تعارف ٹھہرتی ہے گو کہ ان کی فطرت نگاری پر بات

ہوتی ہے مگر فطرت نگاری کا مرکزی نقطہ "انجمن پنجاب" کی تحریک اور اس کے وابستگان کو قرار دیا جاتا ہے حالانکہ نظیر کے دیوان کا بنظرِ غائر مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ فطرت تو ان کی شعری زندگی کے لیے سانس کے مشابہ ہے اور اگر اردو زبان میں فطرت نگاری کے حوالے سے کوئی جاندار، زندہ اور متحرک حوالہ دستیاب ہے تو وہ نظیر ہی ہیں یہاں تک کہ خود انجمن پنجاب کی تحریک ان کے شعری و فنی اثرات کی زائدہ ہے۔

نظیر کی فطرت نگاری ایک طرف تو فطری نظاروں اور رنگوں کو ان کے امتیازی خصائص و فعالیت کے تحت تاثراتی رنگِ سخن میں پیش کرتی ہے دوسری طرف یہ نظارے سیر نگاہی اور قدرت کی نیرنگیوں اور لاانتہا تخلیقی قوت کے شاہد بن کر اترتے ہیں، اس مشاہدے میں بندگی بھی ہے اور حمد و ثنا بھی، حیرت بھی ہے اور عاجزی بھی حرف مدعا بھی ہے اور سجدہ بھی، جبکہ تیسری طرف ان کا حسن نفس انسانی کے ترفع اور تسکین کا سامان ٹھہرتا ہے۔ نظیر کے کلیات میں اس حوالے سے بے بہا نمونے موجود ہیں لیکن ان کی چند نظمیں بالخصوص قابل ذکر ہیں جن میں "برسات کا لطف" "بہار" "گلدستۂ قدرت" اور "چڑیوں کی تسبیح" خاصے کی چیز ہیں۔ "چڑیوں کی تسبیح" کا نمونہ ملاحظہ ہو کہ جہاں تسبیح و تحلیل اور رسوم عبادت و عبودیت چڑیوں کی زبانی جاری و ساری ہے لیکن لفظی انتخاب و دروبست اور پیشکش لفظوں سے آگے بڑھ کر سروں میں ڈھل گئی ہے اور صوتی اثرات کا ترنم و نغمگی نظارے کو زندہ کیے ہوئے ہے:

قمری بولے حق سرہ، بلبل بولے بسم اللہ

کبک ٹٹیری چاروں قل، اور تیتر بھی سبحان اللہ

دادر مور پپیہے، کوئل کوک رہے اللہ اللہ

فاختہ کو کو، تیہو ہو ہو، طوطے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں کرتی ہیں

چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں(9)

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

پرندوں کی آواز اور انداز عبدیت اس قدر جاندار ہے کہ نظم پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ قاری نے نے حیات کے بے تحاشہ اور بے ہنگم شور اور افر تفری سے اپنا آپ چھڑا کر کسی کنج عافیت میں قدم رکھا ہے کہ جہاں نغمگی، ترنم، حسن و تسکین اس کے ہمراہ ہو گئی ہے اور وہ خود اس عظیم کائنات اور اس عظیم کائنات کو بنانے والے حسین ترین اور عظیم ترین خالق کے حضور شکر و تحسین سے جھکا جا رہا ہے اس کی بے سکون روح آشتی کے ہنڈولے میں جھول رہی ہے، قدرت کے معصوم پیامبر اپنی سریلی لوری سے اس کی میٹھی نیند کا سامان کر رہے ہیں اور یہ میٹھی نیند جسمانی سے زیادہ روحانی ہے۔ اس طرح مظاہر فطرت کا ایک اور رنگ "بہار" کی صورت اپنے جوبن دکھلاتا ہے اور بہار ہی کی سہیلی "برسات" جب ورود کرتی ہے تو بہاریں رنگوں کا جوبن جھوم اٹھتا ہے۔ "بہار" "برسات کا لطف" "چڑیوں کی تسبیح" نا صرف فطرت نگاری بلکہ زبان و بیان کے حوالے سے بھی اہم ہیں کیوں کہ ان نظموں میں نظیر نے اپنے مزاج کے مخالف علاقائی و عوامی زبان کی جگہ معیاری زبان کا استعمال کیا ہے اور عربی، فارسی اثرات کے تحت تشبیہات و استعارات اور صنائع بدائع میں بھی روایت کی پیروی کی ہے

کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت

آ رہی ہے چمنِ خلد کی ہر گھر میں ہوا

دیکھ سبزوں کی تراوٹ کو زمین پڑھتی ہے

دم بدم ابناتہ اللہ نباتاً حسنا

برگ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم و لطیف

فی المثل حلہ ءِ جنت انہیں کہیے تو بجا(10)

وہ میدان ہوں دامان کوہ، صحرا یا باغات ہر جگہ زمردیں فرش بچھتا چلا جا رہا ہے رنگ رنگ کے پھول رونما ہو رہے ہیں اور نظاروں سے خطہ ءِ ارض بہشتِ بریں کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ برلبِ دریا وجوئبار پھول جھک جھک کر اپنا عکس دیکھتے دیکھتے نہال ہوتے ہیں اور نزاکت سے جب سطحِ آب پر جھکتے ہیں تو دیکھنے والے کو یوں گمان ہوتا ہے کہ گویا بلور کے پیالے رنگارنگ

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

جواہرات سے لبالب بھرے ہوئے ہیں۔ چہار سو حسن بکھرا ہوا ہے اور ہر نوع کا جلوہ نگاہِ نظارہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے، فطرت کا ہر مظہر ہر نظارہ اپنے جوبن پہ ہے سوکھی ٹہنیاں برسات کے آبِ حیات سے ہری ہو کر گل رنگ و گل بدن ہو گئی ہیں اور ان کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے طالع آزما محبوبوں نے سبز قباؤں پہ سرخ دستاروں سے عاشقوں کا دل خون کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ باغ کا کونہ کونہ گلوں کے حسن سے مہکا اور نکھرا پڑا ہے مگر جلد ہی آسماں سے اترتی نرم و لطیف کرنوں کو اپنے اودے نیلے اور سرمئی پردوں میں چھپانے بادل جھنڈ در جھنڈ امڈنے لگتے ہیں، بجلی کڑکتی ہے اور بادل گرجتا ہے، بادل کی گرج زوردار اور دم دار ہے لیکن اس لطیف نظارے میں یہ دھمک و گرج خوفزدہ نہیں کرتی بلکہ لطافت انبساط و خوشی کو دوبالا کر دیتی ہے بالکل ایسے جیسے

"شادی میں پسند آتی ہے نوبت کی صدا"(11)

یوں یہ پوری نظم ایک وسیع ترکینوس ہے کہ جو منی ایچر سے مشابہ زمین تا آسمان بکھرے نظاروں کی چھوٹی چھوٹی مگر کامل تصویریں ہر بند کے ساتھ مسلسل پیش کرتا چلا جا رہا ہے۔ حیات کا تحرک اور رنگ ہر آنے والی تصویر میں فزوں تر اور گہرے سے گہرا ہوتا جاتا ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز اور لطیف سے لطیف نظارہ بھی نظر کی ژرف نگاہی اور باریک بینی سے چھپ نہیں پاتا شاعر لفظی تصویروں کی صورت نہ صرف فطرت کی عکاسی کرتا ہے بلکہ بصیرت و تخیل کے ذریعے تشبیہ و استعارہ و تاثر کا استعمال کر کے اسے معنویت اور وسعت کلامی کا نمونہ بھی بنا دیتا ہے۔ اس نظم میں انہوں نے جو تشبیہات استعمال کی ہیں وہ نادر و پرکشش ہی نہیں لطیف بھی ہیں۔ بادلوں کے رنگ بدلتے مزاج کی سیاہی سرخی اور سفیدی کو "ارژنگِ مانی" سے تشبیہ دینا سیاہ اندھیری رات کی لطافت و سیاہی کے پیشِ نظر اسے لیلی اور شیریں کی کاکلوں کے مقابل لانا، جبکہ اندھیری رات میں چمکتے جگنوؤں کو ہاتھی کے ماتھے چمکتے شنگرف کے مشابہ قرار دینا اردو زبان میں نادر تشبیہات کے اضافے کے ساتھ ساتھ فارسی و مقامی روایت کے امتزاج کی ایک حسین صورت بھی ہے۔ برسات ہر خطے اور ملک میں اہمیت رکھتی ہے لیکن ہندوستانی سماج چونکہ زرعی سماج ہے اس لیے ہندوستان میں اس کی حیثیت دوچند ہو جاتی ہے خاص طور پر سخت گرمی و حبس سوکھے اور زمینی تشنگی کے وقفے کے بعد برسنے والی بارش محض پانی کی پھوار نہیں بلکہ ابرِ زریں سونے کی بوندوں کی صورت معلوم پڑتی ہے

لوگ کہتے ہیں یہ ہیں آب کے قطرے

ہم تو جانیں ہیں کل برسے ہے مینہ موتی کا(12)

بارش کا قطرہ اپنی شکل میں ترشے ہوئے موتی سے مشابہ ہوتا ہے اور اکثر شعرا نے بارش کی بوچھاڑ کو موتیوں کے مینہ سے تشبیہ دی ہے لیکن نظیر کے ہاں اس نظم میں نا صرف معروضی ضرورت و حقائق بلکہ اپنی زمینی اہمیت و حقیقت کے پیش نظر یہ بارش ظاہراً بھی موتیوں کی بوچھاڑ ہے اور اس کے نتیجے میں پھوٹنے والی فصلیں اور خوشحالی باطناً بھی موتیوں کی برسات ہے۔ موتیوں کا ذخیرہ مل جانے سے آدمی امیر و خوشحال ہو جاتا ہے اس طرح بارش کے برسنے سے غریب اور مفلوک الحال لوگ بھی امیر و خوشحال ہو جائیں گے لیکن بارش کی اہمیت و عظمت زر و جواہر کے خزانے سے اس لیے بھی زیادہ ہے کہ زمینی خزانہ ،صاحبِ مال کو اکثر حریص و بنیا بنا دیتا ہے، اس کا فائدہ محض چند لوگوں کو ہوتا ہے اور اس کا دائرہِ فیض و اثر فقط چند طبقات تک محدود ہوتا ہے۔ جبکہ آسمانی خزانہ بلا تفریق و بلا جھجک فیض رسانی کرتا ہے۔ موتیوں کا یہ خزانہ کریم کے کرم کی صورت نچھاور ہوتا ہے جو باغ و صحرا امیر و گدا سب تک پہنچتا ہے اور ان کی استطاعت اور کوشش کے مطابق انہیں نہال کر دیتا ہے۔

بلکہ موتی ہیں فقط گوش بتاں کی زینت

یہ وہ قطرے ہیں کہ ہیں آب رخ شاہ و گدا(13)

"برسات" کے موضوع پر لکھی گئی پانچ نظموں میں سے نظیر کی باقی چار نظمیں بھی نہایت اہم ہیں نظموں کا یہ سلسلہ اردو شاعری میں موسمی کیفیات، تہذیبی اور تمدنی حیات اور انسانی صورتحال کے حوالے سے قابل ذکر ہے۔ ان نظموں میں مظاہرِ فطرت کبھی پس منظری کیفیت میں انسانی صورتحال، طبقاتی تقسیم، زمینی حقائق، لطف و زحمت، نقصان و فوائد، تہی دستی و حاصلات کے تضادی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور کبھی شاعر حسنِ ازل کے رین بسیروں کی کھوج میں مشاہدات و تخلیقات کے سلسلوں کو دور تک کھوجتا ہے۔ ان نظموں میں شاعر کا مشاہدہ انسانی مزاج و صورتحال سے اس کا ربط، تہذیبی، سماجی اور رواجی خدوخال علاقائی صورتحال، موسمی کیفیات اور اثرات سب مل کر ایک زندہ و جاوید منظر نامہ تخلیق کرنے میں نہایت کامیاب رہے ہیں اور یہ کامیابی اتنی دیرپا اور تحرکِ حیات سے پر ہے کہ آج بھی ان نظموں کی قرات جیتی جاگتی زندگی کو ہماری نگاہوں کے سامنے تمام تر فعالیت اور خصائص کے ساتھ لے آتی ہے اور پڑھنے والا قاری سے آگے بڑھ کر ناظر ہو جاتا ہے یہی نظیر کا مقصد تھا کیونکہ ان

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

کے نزدیک انسان محورِ حیات وکائنات ہے اور وہ دستِ قدرت کا سب سے اہم نقش ہے چنانچہ نظیر نے اس عظیم مظہرِ فطرت کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیز سے بھی پیار کیا ہے اس کے روزمرہ میں در آنے والی معمولی تبدیلی بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتی ان نظموں میں جہاں وہ "برسات" کے مثبت اثرات کے تحت قدرتی حسن پھول، پیڑ، پودوں، رنگوں اور چہکاروں کو نہارتے ہیں وہیں اسی برسات کے دوسرے مگر بھدے اور بدصورت رخ سے بھی نگاہیں نہیں چراتے۔ چنانچہ برسات کے باعث پیدا ہونے والی تکالیف گندگی، پھسلن، مالی اور جانی نقصان کا تذکرہ حاصل کلام بنتا ہے، کہ قدرت کا تحفہ اگر کسی کے لیے رحمت بنتا ہے تو انسانی صورتحال کی عدم مطابقت وعدم مساوات کے تحت یہی رحمت بہت سوں کے لیے زحمت اور محرومیوں کو دوچند کرنے کا سامان بھی کرتی ہے۔ یوں ان کے ہاں فطرت نگاری اپنی حقیقی اور خالص ترین صورتوں میں ہمارے سامنے آتی ہے، وہ فطرت کی ان چیزوں سے بھی پیار کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو عمومی طور پر کوئی اچھا نہیں جانتا۔

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارہ

یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارہ

کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا

مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں()

قدرت کی قوتِ تخلیق کا سب سے خوبصورت رنگ عورت ہے اور اگر عورت محبوب یا عاشق ہو تو اس کی کشش، اہمیت اور کیفیت موسموں کو اپنے سنگ آنے پر آمادہ کر لیتی ہے۔ ہندوستان میں برسات کا موسم ہجر و وصال کی کہانی کا مرکزی نقطہ ہے جہاں پیاملن کی خوشی عورت کو خوشیوں اور لطافتوں سے نہال کر دیتی ہے رنگ برنگی اوڑھنیاں، مزے مزے کے پکوان، پھولوں سے سجے لمبی اڑان کے جھولے، گل وگلال گندھی ناریاں چہلیں اور اٹھکیلیاں کرتی ہیں لیکن وہیں ایک "برہنی" بھی ہے کہ جس کا جی اداسیوں کا گھر ٹھہرا ہے جسے سینکڑوں رنگوں اور نظاروں میں بھی کوئی لطف وخوشی میسر نہیں آتی اس کا ہار سنگھار

ادھورا ہے وہ اداس ہے کیونکہ اس کا پی اس کے پاس نہیں، اس لیے غم ورنج ویاس اس کا مقدر ہے۔ اس کا بناؤ سنگھار نامکمل اور خوشیاں دور ہیں۔ برسات کے حوالے سے برہا اگن اور نشاط ووصال کا مضمون اردو شاعری میں ایک تسلسل سے باندھا جارہا ہے "برسات کی بہاریں" میں نظیر نے روایت کا ہی کا تتبع کیا ہے کچھ نیا پن یا جدت ان کے ہاں موجود نہیں ہے۔

کتنوں نے اپنے غم سے اب ہے یہ گت بنائی

میلے کچیلے کپڑے انکھیں بھی ڈبڈبائی

نے گھر میں جھولا ڈالا نہ اوڑھنی رنگائی

پھوٹا پڑا ہے چولہا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں(15)

برسات کے سلسلے کی باقی نظمیں بھی اسی طرح موسمی تہذیبی، رواجی، علاقائی، انسانی روایات اور صورتحال کا تکملہ پیش کرتی ہیں جہاں اس موسم کی آمد و کیفیت اور بعد ازاں انسانی صورتحال کے تناظر میں عمل اور ردعمل کی صورتحال خالص، حقیقی، تجزیاتی اور تجرباتی ہے نظیر چونکہ خود سفید پوشی کے بھرم میں مفلسی سے دوچار تھے سو طبقاتی تقسیم کی ان دو انتہاؤں کو انہوں نے اس موسم کے حوالے سے نہایت فصاحت وبلاغت سے بیان کیا ہے۔ ایک طرف عیش وطرب ہے تو دوسری طرف زحمت وادبار ،ایک طرف جشن کا سماں ہے تو دوسری طرف فکرِ بقا۔ ایک طرف محلوں میں باغ مہکتے ہیں تو دوسری طرف کیچڑ دلدل اور تعفن ہے، ایک طرف کڑاہی چڑھی ہے تو دوسری طرف فاقے ہیں، ایک طرف نعمتوں کی فراوانی ہے تو دوسری طرف عزتوں کی نیلامی اور گرے ہوئے ملبے پہ بیٹھی عصمتوں کی عریانی، غرض ایک برسات، ایک موسم کے فریم میں انسانی زندگی کا فلسفہ ،تہذیبی وتمدنی صورتحال انسانی فکر وعمل اور کردار، ملکی، موسمی، علاقائی صورتحال سب مجسم ہو کر سامنے آگئی ہے اور اس فریم کا ایک کونہ ایسا بھی ہے کہ جہاں موسم کے اثرات کے تحت شاہ وگدا ایک ہی جگہ جمع ہیں، یہ مقام "پھسلن" اور "امس" ہیں کہ ان سے بچنے والا کوشش کے باوجود بچ نہیں پاتا۔

باراں جب آ کے پختہ مکاں کے تیں ہلائے

کچا مکان پھر اس کی بھلا کیوں کر تاب لائے

ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں ہائے ہائے

کہتے ہیں یارو دوڑیو جلدی سے ہائے ہائے

پاکھے پچھیت سو گئے چھپر پھسل پڑا(16)

ادھر تو پسینوں سے پڑی بھیگے ہیں کھاٹیں

گرمی سے ادھر میل کی کچھ چونٹیاں کاٹیں

کپڑا جو پہنیے تو پسینے اسے آٹیں

ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر امس ہے

سب چیز تو اچھی ہے پر اک کہر امس ہے(17)

رنگ، روشنی، حرارت، پہاڑ، میدان، پرندے، بادل، گھٹا، بارش، ہوا، خوشبو، پھول، پھل، سبزہ، انسانی حسن ور عنائی وغیرہ کے ساتھ گرمی، پسینہ، حبس، مچھر، مکھی، چھچھوندر، چونٹے، مینڈک، کھٹمل، کیچڑ، بدبو، پھسلن وغیرہ بھی اسی حسین کائنات کا ناگزیر حصہ ہے لیکن عمومی طور پر فطرت کے بیان میں بہت حد تک ان عناصر و عوامل کو نظر انداز کر کے شاعری میں نتھری اور ستھری صورتوں کو بصورت نظارہ پیش کیا جاتا ہے۔ نظیر وہ سچے شاعر ہیں کہ جنہوں نے مظاہرِ فطرت سے بلا تخصیص محبت کی ہے اور انہیں غیر متعصبانہ انداز سے نہایت فطری اور حقیقی انداز میں ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق میں کچھ بھی بے ضرورت نہیں اور نہ ہی بے مصرف ہے۔ اثبات نفی کی وجہ سے قابل قبول ہے اور اجالا اندھیرے کی

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

وجہ سے۔ ہر شے دوسری کا جواز بھی ہے اور ضرورت بھی۔ ایک وجود یا شے جو کسی کے نزدیک بے معنی، بدصورت کریہہ ہو اس کے اندر بھی قدرت نے ذاتِ انسانی کے لیے جانے کتنے فوائد اور مصلحتیں پنہا کر رکھی ہیں سو پوری کائنات کو کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیئے اور معروف و منتخب حسن کے ساتھ ساتھ بدصورتی اور مشکل کو بھی حیاتِ انسانی کی بڑھوتری اور ترقی کے لیے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ یہ رجائی نقطہءِ نظر صرف چند نظموں تک محدود نہیں بلکہ ان کی تمام تر شاعری کا خاصہ ہے کہ وہ احسن تقویم اور احسن تخلیق کی صورت کبھی قنوطیت یا مایوسی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ مصائب میں بھی مصلحت دیکھتے ہیں اور امید کو ہمیشہ روشن رکھتے ہیں یہ اصول فطرت کا سب سے اہم اور عظیم اصول ہے کہ جس پہ فطرت کی بقاء اور ارتقا منحصر ہے۔

رات، دن صبح، شام، اندھیرا اور روشنی، حسن و بے ڈھنگی سبھی انسانی کائنات کا حصہ اور آہنگ ہیں نظیر نے جہاں فطرت کو موسم و موسمی اثرات کی صورت قبولا اور سراہا ہے وہیں بعض موضوعات ایسے بھی منتخب کیے ہیں کہ جن پر ان سے پہلے کسی کی نظر نہیں پڑی اگر پڑی بھی ہے تو سرسری اور سطحی انداز میں اس حوالے سے "جاڑے کی بہاریں" اور "اندھیری" دو نظمیں اہم ہیں کہ جہاں فطرتِ انسانی کے متعدد گوشے اس قدر وضاحت، صراحت اور لطافت سے آشکار ہوئے ہیں کہ پڑھنے والا لطف کے ساتھ ساتھ حیرتوں سے بھی دوچار رہتا ہے کہ یہ تو محض جگ بیتی یا شاعر بیتی نہیں خود بیتی بھی ہے۔ مگر اس کہانی کو ادب و شعر کی زینت بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ نظم کا آغاز جاڑے کی آمد کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جیسے جیسے مصرعے آگے بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے لازمہءِ فطرت کا یہ رنگ انسانی وجود و حیات کے حوالے سے اپنے پردے کھولتا چلا جاتا ہے، لفظوں آوازوں اور تاثراتی کیفیت ایک ایسی فضا تخلیق کرتی ہے کہ پڑھنے والا خود کو سردی کے اس ماحول میں پاتا ہے کہ جو شاعر کے ہاں برسرِ عمل ہے

دل ٹھوکر مار پچھاڑ ہوا اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی

تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی

کلّے پر کلّہ لگ لگ کے چلتی ہو منہ میں چکی سی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی(19)

یہاں گو فطرت پس منظر میں موجود ہے مگر انسان جو مظاہرِ فطرت کا سب سے عظیم حوالہ ہے فطرت کی بنیاد بنتا ہے۔یوں اس نو ع کی نظموں میں فطرت کے دونوں حوالوں کی شرکت ایک دوسرے کی وضاحت و صراحت کے لیے ناگزیر ہو جاتی ہے اس قدر کہ اگر ایک موجود نہ ہو تو دوسرے کی موجودگی کا جواز بھی ختم ہو جاتا ہے۔اس طرح نظیر کی مختصر مگر منفرد و باکمال نظم "اندھیری" بھی انسانی و ارضی فطرت کے افادی پہلوؤں سے متعلق اچھوتی پیشکش ہے کہ اس نوع کا خیال اور موضوع اس سے پہلے کسی نے نظم نہیں کیا رات جہاں بنی نوع انسان کے لیے آرام و اطمینان کی صورت ہے وہیں اندھیرا اردو شاعری کی روایت میں ہجر، غمگینی، درد، اذیت، مشکل تکلیف اور مایوسی کے پیکروں میں ہی مستعمل ہے۔عشق میں صبر آزمائی کے مراحل اور اذیتوں کی طوالت کو شب دیجور کے حوالے سے شناختا جاتا ہے لیکن نظیر کی انفرادیت ہر مقام پر نمایاں ہے کہ انہوں نے اندھیرے کی "مہیب" سے افادیت، محبت اور وصال کی تسکین کشید کی ہے اور اردو شاعری کی روایت کا اندھیرا اثباتی پہلوؤں سے یوں روشن کیا ہے کہ اندھیرا زحمتوں کی نشانی نہیں بلکہ رحمتوں کی نوید ہے، جہاں اندھیرے سے فائدہ اٹھانا مہرباں زمانے کی نظروں سے چھپ کر محبوب اس سے ملنے یوں آتا ہے "جیوں سینے میں راز آوے" اب بھلا کسی عاشق کی اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو گی کہ اسے وصال یار میسر آئے اور اس کی شب دیجور، شب تمنا و شبِ التفات کا روپ دھار لے۔مگر عاشق کامران ہو اور زمانہ اس کا بیری نہ ہو یہ غیر ممکن ہے، ایسے میں بھلا ہو اندھیرے کا کہ اس نے دل کی تمنا اور زمانے میں عزت کا بھرم رکھ لیا۔

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظیر آہ

سو عیش و طرب سے تھے ہم اس یار کے ہمراہ

نکلے تھے ہمیں ڈھونڈنے اس دم کئی بدخواہ

مل مل بھی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ

کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری

کام آتی عاشق کے بہت رات اندھیری(20)

ان کی ایک اور نظم "رات" بھی اسی فیضیابی اور عشقیہ کامرانی کا تسلسل ہے رات اور اندھیرے سے متعلق ان نظموں میں رات ایک مظہرِ فطرت کے طور پر پس منظر میں موجود ہے اور اس کی افادیت بشری ذات اور نفسیاتی تقاضوں کی تسکین میں معاون ہے اس نظم میں بھی تمام تر بیان انسانی حوالے سے ہے لیکن کہیں کہیں خود رات اور رات کی ذات سے وابستہ حسن و کیفیات بھی اس انداز کی نظموں میں اپنی جھلک دکھاتی ہیں

نظم "گلدستۂ قدرت" قدرت کی رعنائیوں اور صناعیوں کا بھرپور بیان اور زمین کو اس نوع کی خوبصورتی اور لطافت سے رنگنے کے لیے ربِّ ذوالجلال کے حضور اظہار تشکر ہے۔ یہ اظہار تشکر لوگوں کو بھی اس کریم پروردگار کی کاریگری، فنکاری اور قوتِ عمل کی بے محابہ بخشش و طاقت کی طرف مبذول کرواتے ہوئے دعوتِ فکر دیتا ہے۔ مسدس کے ہر آخری شعر پر زمانے کی توجہ حسنِ کائنات کی طرف یہ کہہ کر مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ:

دنیا کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ

کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ(21)

یعنی یہ دنیا اسی بہشت بریں کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے کہ جس کی تمنا اور حصول کے لیے زندگی کی تمام تر کارگزاری ایک تسلسل سے محو خرام ہے۔ یہ نظم کیا ہے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے یا وہی کنجِ ارم ہے جو زمین پہ آن ٹھہرا ہے کہ جس کا خواب نظیر جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن کمال بات یہ ہے کہ انہوں نے محض پھولوں کی اقسام ان کے رنگ خوشبو یا خصائص کو گنوانے کی بجائے ہر پھول کو انسانی خصائص سے متصف کر دیا ہے گویا ایک طرح سے انسان اور فطرت کے درمیان جو دوری ہے اسے انسانی و فطری مشترکہ جوہر تلاشنے کے بعد انسان کو فطرت اور فطرت کو انسان کی صورت دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کا آئینہ بنا دیا ہے یوں انسانی حیات کے لیے فطرت اور فطرت کے لیے انسان لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔

کہتا ہے کمل ہر دم میں پاک نمازی ہوں

اور موگرا کہتا ہے میں مرد ہوں غازی ہوں

سوسن کی زباں بولی میں ترکی و تازی ہوں

گلباسی یہ کہتی ہے میں سب ست نازی ہوں(22)

بسنت کا موسم اور تہوار ہندوستان کا سب سے مشہور و معروف تہوار ہے بلکہ یہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنے رنگ و آہنگ کی بدولت یہ ہندوستانی دھرتی کا پانچواں موسم ہے تو غلط نہ ہو گا بسنت رت پر تقریباً ہر شاعر نے طبع آزمائی زمائی کی ہے اس رت کا اولین سطح پر سب سے خوبصورت روپ امیر خسرو اور قلی قطب شاہ کے ہاں نظر آتا ہے اور ان کے بعد نظیر کے ہاں یہ موسم اپنے جلوے دکھاتا ہے لیکن طرز حیات اور انداز فکر کا فرق تینوں کے ہاں بہت نمایاں ہے اور انسلاک سے زیادہ افتراق کی نمائندگی کرتا ہے نظیر کے ہاں بسنت کے موضوع پر تین نظمیں ہیں جو موضوعاتی حوالے سے روایتی انداز کی ہیں کہ ان میں آمدِ بسنت محبوبی انتظار، التفات رسوم ورواج چہلیں اور ٹھٹھول اور کشش ووصال کی وہی صورت ہے جو عمومی طور پر اردو شاعری کی روایت میں موجود ہے لیکن لسانی سطح پر نظیر نے ان میں انفرادیت کی جھلک دکھائی ہے اور متعدد الفاظ اور تراکیب میں تصرف کیا ہے اور کئی نئے الفاظ بھی تراشے ہیں:

اک پھول کا گیندوں کے منگایا رسے بجرا

دس من کا لیا ہار گندھا ہاتھ کا گجرا

جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا

جایار سے مل کر یہ کہا اے میرے رجرا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا(23)

جلد نمبر05، شمارہ نمبر02، دسمبر-2024

پھول اور پھل قدرتی حسن ہی نہیں انسانی زندگی کی بقا، غذائی ضروریات کی فراہمی، لذت، طاقت اور خوش خوراکی کا لازمہ ہیں۔ پھولوں کے حوالے سے تو اردو شعر و ادب کا دامن رنگوں اور خوشبوؤں کا خزینہ معلوم پڑتا ہے لیکن پھلوں پر طبع آزمائی کی صورتحال خال خال ہے۔ نظیر سے پہلے اور نظیر کے بعد بہت کم شعرا نے پھلوں کے موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن نظیر کے ہاں تو پھلوں کا تذکرہ انسانی حیات سے آمیز ہو کر عجب گل کھلاتا ہے کہ ایک پھل کی نسبت سے اس عہد کا تہذیبی اور تمدنی مرقع تیار ہو جاتا ہے اور یہ مرقع فقط تصور و تخیل ہی نہیں جیتی جاگتی زندگی ہے جو سانس لیتی، بولتی چلتی، موسموں کی مٹھاس، تلخی و ترشی کے ساتھ ساتھ شگفتگی و بانکپن کا ہاتھ تھامے نظم کی صورت ہمارے سامنے اٹھکیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ وہ محبت کا حوالہ ہو یا سماجیت کا، صحت کی بات ہو یا بقاءِ حیات کی، رزم و بزم کا چرچا ہو یا شہنشاہی کا تذکرہ سب کی کڑیاں محض ایک پھل سے بندھی ہیں۔ خربوزہ، تربوز اور ککڑی کس قدر معمولی چیزیں ہیں کہ کوئی ان پر ٹھہر کر چار سطریں لکھنا بھی گوارا نہیں کرتا لیکن ایک شاعر ہے کہ وہ کسمپرسی کے اس عالم میں ان پھلوں کی چھپی ہوئی خصوصیات اور خوش آہنگی کو اپنی محبت اور قدر بھری نگاہوں سے کھوجتا ہے اور پھر انہیں اپنے شعری فریم میں سجا کر صدیوں تک کے لیے اہمیت تفویض کر دیتا ہے۔ وہ ایوان سخن کہ جہاں محبوبوں کے لازوال اور بے مثال حسن اور عاشقوں کی جگر داری کے علاوہ کسی کو اذنِ باریابی حاصل نہیں وہاں غریب غربا کے ہاتھوں سینچے جانے والے ساختہ و پرداختہ معمولی پھل بڑے کّر و فر سے آن براجتے ہیں کہ خود محبوب بھی اپنے حسن و رعنائی کی وضاحت کے لیے ان معمولی سبزیوں اور پھلوں کے محتاج ہیں

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں

گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں

فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں

مجنوں کے سرد آہیں، لیلی کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی(24)

ٹیڑھی ہے سو توچوڑی وہ ہیر کی ہری ہے

سیدھی ہے سووہ یارورانجھا کی بانسری ہے(25)

جبکہ "تربوز" کی صورت تو پوراتہذیبی کھیل اور عشقیہ ڈرامہ اردو شاعری کو دستیاب ہے اور اس قدر لطف وخوش رنگی کہ اس داستان کے شوخی، شرارت، دلفریبی اور کشش سے منہ موڑنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ یہاں پیش منظر میں تربوز ہے اور اس کے پس منظر میں عشق وعاشقی کی وہ روایت کہ جو معمولی ردوبدل کے ساتھ ہر عہد اور ہر زمانے کا حسن اور گہنا ہے یہاں محبوب اردو شاعری کے روایتی عاشق کی طرح ظالم کٹھور اور کشتوں پہ پشتتے لگانے والا نہیں بلکہ عاشق کو اپنی قربت، التفات، مہربانیوں ،شرارتوں، شگفتگیوں اور مان سے فیض یاب کرنے والا بشر ہے کہ جو نہ صرف عاشق کے کوچہ ودالان میں آتا جاتا ہے بلکہ عاشق پہ اپنا رعب اور اپنا حق بھی جتاتا ہے اور اس حق ادائی کا ایک خوبصورت وسیلہ "تربوز" بنتا ہے

پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا

چھلکا اس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہے پہنا

اور یہ کہتا ہے کہ پھینکا تو چکھاؤں گا مزہ

کیا کہوں یارو میں اس شوخ کے ڈر کا مارا

دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تربوز(26)

اسی طرح جانوروں، پرندوں اور دیگر جانداروں پر لکھی ہوئی ان کی نظمیں محض فطرت نگاری ہی نہیں بلکہ فطری بقا کے لیے بھی نہایت اہم ہیں۔ "گلہری کا بچہ" "کبوتر بازی" "بلبلوں کی لڑائی" "ریچھ کا بچہ" "اژدہے کا بچہ" "بیا" اور "مکھیاں" وغیرہ ایسی

نظمیں ہیں کہ سطحی نگاہ سے دیکھی جائیں تو محض کثافت اور کھیل تماشے پر مبنی نظر آتی ہیں لیکن ان کے باطن میں ایک اپیل ہے کہ کائناتی وسیلوں، تصرفات اور آزادی پر انسان کے علاوہ ہر جاندار کا بھی حق ہے اور یہ حق اتنا ہی اہم ہے کہ جتنا خود انسان کا۔ زمینی حیات کی بقا بڑھوتری حسن اور تسکین کے لیے نباتاتی، جماداتی اور حیواناتی انواع کا تحفظ لازم ہے اس پیغام کو انہوں نے بصورتِ شاعری اپنے فن کی زینت بنایا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ فطرت جو انسان کی ازلی ساتھی، معاون و مددگار اور محفوظ پناہ گاہ ہے اس کا تحفظ لازم ہے۔ اس کی بقا کے لیے انسان کے دل میں فطرت اور فطرتی انواع و اقسام کے لیے محبت کا ہونا لازم ہے یوں ان کا دیوان فطری کشش و پیشکش کا نادر نمونہ ہے اسے کھولتے جایئے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کے ہر ہر انگ سے محبت کرنے والا انسان آپ کو قدرت کے حسن اور انسان کے لیے پیدا کردہ حسن و حیات کی لطافت و فراوانی کی طرف متوجہ کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا رہا ہے کہ اس زمینی حیات میں قدرت کی پیدا کردہ باقی انواع و اقسام کا بھی برابر کا حصہ ہے اور انسان تب ہی اپنی زندگی خوشی و سکون سے گزار سکتا ہے کہ جب وہ فطری ہم آہنگی، ہمدردی اور محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دے اور فطرت کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط کرے

کا ایک قول آج کل کے فطری بحران میں ایک سلوگن کی حیثیت رکھتا ہے کہ .Seamus Henny

I can't think of a case where poems change the world, but what they do is the change people's understandings of what's going on in the world?(27)

اس اقتباس کا پس منظری حوالہ نظم "منٹ" کرب کا وہ احساس ہے کہ جو عہدِ جدید میں فطرتی عناصر کے بہت تیزی سے مٹتے ہوئے وجود سے متعلق ہے۔ شاعر کی نگاہیں ماضی سے حال تک کے سفر میں جدید پر آسائش زندگی کے کنکریٹ تلے دبے ہرے بھرے کھیتوں اور جنگلوں کی موت پر نوحہ کناں ہیں اور سوال کرتی ہیں کہ اگر یہی غفلت، مادیت پرستی، حرص و ہوا کی صورتحال برقرار رہی تو آنے والی نسلوں کی بقا کیا ہوگی؟ ان کی حیات میں صحت مندی خوشی سکون اور رنگ و روشنی کیوں کر آ پائے گی؟ آج سے صدیوں پہلے اندازِ تکلم اور انداز نظر کی اختلافات کے باوجود نظیر اکبر آبادی نے اپنے شعر و سخن میں فطرت کے دونوں بنیادی حوالوں "انسان" اور "مظاہرِ قدرت" کو جگہ دے کر انسانی اذہان و قلوب میں قدرتی اور فطری حسن و ماحول

کے لیے کشش اور جگہ پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور یہ کوشش اپنے تئیں بہت کامیاب بھی رہی کہ "انجمن پنجاب "اور اس کے دائرے کے باہر بھی کی جانے والی فطری شاعری عملی اور رد عملی ہر دو صورتوں میں نظیر سے اثر پذیر تھی، اس کی رو آج تک کی اردو نظم و غزل میں کسی نہ کسی طور موجود ہے لیکن اب یہ رو بہت حد تک کمزور اور کشش سے تہی ہو چکی ہے ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ فطرت سے قوت و کشش کشید کرتے ہوئے اردو شاعری کا رخ دوبارہ سے ذاتِ انسانی کے اخلاص اور مظاہرِ فطرت کی بڑھوتری کی طرف موڑا جائے تا کہ انسانی اذہان اور سماج میں صحت مند نسل کی آبیاری ہو اور آنے والا کل علمی، ادبی اور فطری حوالے سے روشن و تابناک صبح کی نوید بنے۔ اس سلسلے میں آج بھی نظیر کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی کشید کی جاسکتی ہے کیونکہ ان کے فنی اخلاص میں وہ قوت ہے کہ وہ موجودہ ہی نہیں آنے والے وقت کو بھی روشن کر سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی بنیاد زندگی اور زندگی کی لطافت ہے اور ان دونوں کا سب سے بڑا مظہر انسان اور خود فطرت ہیں زمین انہی کے لیے خلق کی گئی تھی اور انہیں ہی اس کی حفاظت کی ذمہ داری نبھانی ہے۔ اس نقطے کو نظیر نے صدیوں پہلے سمجھ لیا تھا اور اپنے شعری کارنامے کی صورت میں آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا تھا۔

حواشی و حوالہ جات:

1.https//www. poemhunter.com

2. https://www.poetryfoundation.org

3۔ حالی: مولانا الطاف حسین: "مقدمہ ءِ شعر و شاعری"، مکتبہ جامع لیمیٹڈ دہلی انڈیا، 1998ء، ص158۔159

4۔ ایضاً ص164

5۔ منظر اعظمی: "اردو ادب کے ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ" اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ، 1996ء، ص155

6۔ مولانا عبد السلام ندوی: "شعر الہند حصہ اول"، مطبع معارف اعظم گڑھ انڈیا، 1949ء، ص156

7۔ میر حسن: "ورڈزورتھ اور اس کی شاعری"، احمدیہ پریس حیدر آباد، 1932ء، ص44

8. https://www.thereader.org.uk

9۔ نظیر اکبر آبادی:"کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"، منشی نول کشور لکھنؤ، 1922ء، ص 71

10۔ ایضاً ص 168

11۔ ایضاً ص 172

12۔ ایضاً ص

13۔ ایضاً

14۔ جلال الدین احمد جعفری:"انتخاب کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"، مطبع انوار احمد آلہ آباد انڈیا، سن ندارد، ص 194

15۔ ایضاً ص 195

16۔ نظیر اکبر آبادی:"کلیاتِ نظیر اکبر آبادی" ص 220

17۔ ایضاً ص 242

18۔ جلال الدین احمد جعفری:"انتخاب کلیاتِ نظیر اکبر آبادی" ص 192

19۔ نظیر اکبر آبادی:"کلیاتِ نظیر اکبر آبادی" ص 301

20۔ ایضاً ص

21۔ "انتخاب کلیاتِ نظیر اکبر آبادی" ص 150

22۔ ایضاً ص 151

23۔ "کلیاتِ نظیر اکبر آبادی" ص 252

24۔"انتخاب کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"ص110

25۔ایضاً

26۔ایضاً ص114

27.medium.com/writer(writing nature poetry in a modern world)